

جناب کالونی، لاکل پور میں ایک متوسط طبقے کی آبادی ہے۔ لاکل پور جسے مجبوری میں اب فیصل آباد کہنا پڑتا ہے۔ اس وقت ایک حد درجہ ترقی کرتا ہوا شہر تھا۔ بڑے وثوق سے عرض کر سکتا ہوں کہ آج سے سماں بھر برس پہلے یہ شہر کی بہترین کالونیوں میں سے ایک تھی۔ جس شخص نے بھی اسے ڈیزائن کیا تھا، وہ بھی کمال ذرخیز انسان ہو گا۔ اس میں حد درجہ کشادہ گراو؟ نہ موجود تھے۔ میرے گھر کے نزدیک، چھتری والا گراو؟ نہ تھا۔ اس کا نام اس لیے بخت ہو گیا کہ سبز و شاداب میدان کے عین وسط میں ایک بڑی سی چھتری بنی ہوئی تھی۔ اس کے نیچے دس بارہ یا شاید اس سے بھی زیادہ لوگوں کے بیٹھنے کی گنجائش موجود تھی۔ کالونی کا ذکر چھوڑ کر، وہاں کے مکینوں کی بات کرنا بھی اہم ہے۔ بلکہ حد درجہ ضروری ہے۔ ہمارے گھر کا نمبر 342 تھا۔ گھرے سبزرنگ کا لکڑی کا مین گیٹ تھا۔ عجیب اتفاق تھا کہ گھر کے گرد و اطراف، تقریباً ایک ہی عمر کے بہت سے بچے تھے۔ جو کہ اب تمام کے تمام بابے بن چکے ہیں۔ آپس میں کھینے کے بھر پور موقع موجود تھے۔ گھر کے بالکل سامنے شاہد زاہد اور عابد کا گھر تھا۔ زاہد بھائی، کراچی منتقل ہو گئے۔ انھوں نے نصف صدی پہلے فوٹوگرافی کو پیشہ بنالیا۔ طول عرصہ، روز نامہ مساوات سے مسلک رہے۔ محترمہ بے نظیر کے حد درجہ قریب تھے۔ مگر عجیب قلندر انسان تھا کہ کبھی بھی محترمہ سے کسی قسم کا کوئی مالی فائدہ نہیں لیا۔ بس ایک جنون تھا کہ ان کے کیمرے سے کھینچی ہوئی تصویریوں کا کوئی مقابلہ نہ ہو۔ اور ویسے تھا بھی نہیں۔ کمال سادہ انسان۔ چند دن پہلے معلوم ہوا کہ صاحب فرش ہیں۔ عابد بھائی، ڈسٹرکٹ انفار میشن افسر، لاکل پور بن گئے اور جوانی میں ہی فوت ہو گئے۔ ماجد اور واحد بھی انھیں کے بھائی تھے۔ ماجد آج فیصل آباد کا بہترین فوٹوگرافر ہے۔ شریف النفس اور حد درجہ مخلص انسان۔ خدا ان لوگوں کے لیے آسانیاں درآسانیاں پیدا کرے۔

اب ذرا دوستوں کی طرف آتا ہوں۔ طارق شریف کا گھر بھی گلی ہی میں تھا۔ طارق سے تعارف بھی حد درجہ عجیب انداز میں ہوا۔ خیال ہے، میں کوئی آٹھوں برس کا ہوں گا۔ اور طارق کوئی دس گیارہ سال کا ہو گا۔ طارق اور میں چوک کی طرف جا رہے تھے۔ طارق سے کوئی دس بارہ قدم پیچھے تھا۔ اتفاق سے طارق پھسل کر گر پڑا۔ پیچھے مر کر دیکھا اور کہنے لگا کہ تم نے مجھے دھکا دیا ہے۔ جیران رہ گیا۔ کیونکہ میں کافی پیچھے تھا۔ خیر ہم دونوں کی خوب لڑائی ہوئی۔ پہلی ملاقات خیر قطعاً خوشگوار نہیں تھی۔ خیر دو چار دن بعد دوبارہ چوک میں ملاقات ہوئی۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسنا شروع کر دیا۔ دوستی ہو گئی جو آج تک قائم ہے۔ طارق فوج میں چلا گیا۔ بر گیڈ یئر کے عہدے سے ریٹائر ہوا۔ اور کراچی منتقل ہو گیا۔ لاہور آتا جاتا رہتا ہے۔ طارق شریف، ایک پر ناثیر شخصیت کا مالک ہے۔ ڈاکٹر فاروق علوی کے بقول اگر طارق پرانے زمانے میں ہوتا تو کسی بادشاہ کے پاس، داستان گو ہوتا۔ کراچی سے لاہور بڑے آرام سے گاڑی چلا کر آ جاتا ہے۔ ایک اتفاق اور بھی ہے۔ میں ملتان میں اسے سی تعینات ہوا، تو طارق ملتان میں بطور کیپین موجود تھا۔ شروع شروع میں، طارق کے میں میں منتقل ہو گیا۔ 19 لانسرز کے تمام افسر، طارق کی وجہ سے دوست بن گئے۔ جب طارق کی شادی ہوئی تو خدیجہ بھا بھی نے حد درجہ وضعداری اور خاندانی پن سے شوہر کے پرانے دوستوں کو قبول کیا۔ خدا بھا بھی کو ہمیشہ آسانیوں کی چھتر چھاؤ؟ میں رکھے۔ پچھلی گلی میں ہی، ارشد بٹ کا گھر تھا۔ اس کے والد محترم ایس ڈی بٹ، امریکا سے کیمسٹری کر کے زرعی یونیورسٹی میں تدریس فرماتے تھے۔ بہت سادہ اور شفیق انسان۔ پچاس کی دہائی میں جب امریکا ڈاکٹریٹ کرنے کے لئے۔ تو وہاں انھیں شہریت دلوانے کی یونیورسٹی نے کاوش کی، مگر بٹ صاحب نے امریکی شہریت حاصل کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اپنے ملک لوٹ آئے۔ طالب علم، انھیں اس سطح کے بزرگوں میں شامل کرتا ہے۔ جنھوں نے خون اور محنت سے اس ملک کی ترقی میں اپنا حصہ ڈالا۔ ارشد بچپن ہی سے اردو ادب کا دیوانہ تھا۔ دس بارہ سال کی عمر میں، پاکستان کے چوٹی کے ادیبوں کو خط لکھتا تھا۔ اور ان کا جواب ہم سب کو سنا تھا۔ ویسے اچھا زمانہ تھا۔ احمد نیم قاسمی، شورش کا شیری اور دیگر ادیب، ہر خط کا جواب دیتے تھے۔ ارشد کے پاس آج بھی یہ خطوط شاید محفوظ ہوں۔ ارشد بٹ بھی حیرت انگیز انسان ہے۔ میں اسے ”مرد صحرا“ کہتا ہوں۔ پیشہ کی نسبت سے تو ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہے۔ مگر اردو ادب پر حد درجہ گہری نظر ہے۔ تاریخ اسلام کی جزئیات سے واقف ہے۔ اور موسیقی کے علم کا سمندر ہے۔ جب بھی اسلامی تاریخ کے کسی واقعہ پر دلیل سے بات کرنی ہو، تو سننے اور سنا نے کے لیے ”مرد صحرا“ کے علاوہ اب پورے شہر میں کوئی نظر نہیں آتا۔ ہاں، موسیقی کی نازک ترین رمزیں، ارشد کی روح میں رج بس چکی ہیں۔ اگر یہ عرض کروں، کہ سنجیدہ موسیقی سے مجھے روشناس کروانے والا شخص، صرف مرد صحرا ہے۔ جب موڈ میں آتا ہے تو ہمکا سا گنگنا بھی لیتا ہے۔ ویسے ارشد اور طالب علم کی ایک حیرت انگیز تحقیق ہے۔ کشمیری قوم، ہندوستان اور پاکستان میں محدودے چندیں ہے۔ دو چار فیصد سے زیادہ کیا ہونگے۔ مگر جتنے زرخیز اور قد آور لوگ، کشمیری قبلی سے ہیں، اس کا تناسب بذات خود میر العقول ہیں۔ ہندوستان کی سیاست پر نہ رخاندان اور پاکستان میں آل شریف، تمام کشمیری نسل کے ہیں۔ آج بھی دونوں ممالک کی سیاست ان کے بغیر نامکمل ہے۔ حضرت علامہ اقبال سے لے کر، نشر کے بادشاہ سعادت حسن منٹوک، موسیقی کے گرد خواجہ خورشید انور سے لے کر شورش کا شیری تک، یہ تمام لوگ کشمیری ہیں۔ اس کے علاوہ ان گنت قد آور شخصیات ہیں۔ ویسے یہ ایک خوبصورت قوم کی نشانی ہے۔ تعداد حد درجہ کم اور اثر حد درجہ زیادہ۔ محلہ کی نکڑ پر صدر رہتا تھا۔ اس کا پورا نام مجھے یاد نہیں۔ پرسب اسے صدر تلی کہتے تھے۔ وہ بنیادی طور پر ایک سامنہ دان تھا۔ فیوز شدہ بلوں کو دوبارہ ٹھیک کر لیتا تھا۔ اس کے پاس پچاس سی سی کی موٹر سائیکل تھی۔ جس کے آگے ایک ٹوکری لگائی ہوئی تھی۔ بہت محفلی انسان تھا۔ عمر میں ہم سے قدرے بڑا، مگر بچپن کے تمام خواص موجود تھے۔ میرے گھر سے متصل گھر، صالح محمد کا تھا۔ صالح محمد ایک نایاب انسان تھا۔ خدا نے اسے تخلیقی قوتوں سے لبائب سرفراز کیا ہوا تھا۔ بخوبی سے لے کر ستار، بلکہ ہر ساز کمال مہارت سے بجا تھا۔ ساتھ ساتھ خوبصورت ترین پینٹنگز بنا تھا۔ قدرتی مناظر پر آرٹ ورک اس کا خاصہ تھا۔ شطرنج میں حد درجہ مشاہق تھا۔ ملکی سطح پر اس سنجیدہ کھیل کا چیمپیون رہا۔ صالح محمد کہتا تھا کہ جب شطرنج کی بساط پر پہلی چال چلتا ہوں تو اگلی سماں چالیں از بر ہوتی ہیں۔ آج بھی سمجھتا ہوں کہ اگر اسے موقع ملتے تو وہ دنیا میں اس کھیل میں نام پیدا کر سکتا تھا۔ خیر جوانی میں خدا کے حضور پیش ہو گیا۔ اب کبھی بھی اس کے بچوں سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ محسن شیخ کا گھر، بھی نزدیک تھا۔ اس کے والد محترم نے اتحاد ٹیکسٹائل مل کی بنیاد رکھی۔ اور آج وہ اور اس کے بچازاد بھائی کپڑے کاحد درجہ کامیاب کاروبار کر رہا ہے۔ اعظم کا گھر بھی قریب ہی تھا۔ وہ صرف انگلش گانے سنتا تھا۔ پڑھنے لکھنے سے کوئی خاص رغبت نہیں تھی۔ آج کل امریکا میں ہے اور آسودہ حال ہے۔ نزدیکی چوک، میں امیر الدین زلف تراثی، طیفابولوں والا رمضان برف والا موجود تھے۔ یہ تمام حیرت انگریز لوگ تھے۔ امیر الدین کہتا تھا کہ ایم بیم دراصل اس کے فارمولے کے تحت بنتا ہے۔ طینے سے تمام بچے ادھار پر بولیں پیتے رہتے تھے۔ اس نے کبھی پیوں کا تقاضا نہیں کیا۔ بڑی خاموشی سے بلہ ہمارے بزرگوں سے وصول کر لیتا تھا۔ یہ چوک اپنے لوگوں کا گلدستہ تھا۔ بھائی عتیق اور ایزد بھائی اکثر چوک پر موجود رہتے تھے۔ ان کا ذکر خیر پھر کبھی سہی۔ ہاں ایک بات عرض کرتا چلوں۔ اپنے گھر کی نسبت سے، آج تک جو بھی گاڑی خریدی ہے۔ اس کا نمبر کوشش کر کے 342 ہی لگوایا ہے۔ ویسے لاکل پور کی جناب کالونی میرے لیے جہاں حیرت ہے۔ شاید دنیا کی کامیاب ترین یونیورسٹی۔